مظاہر علی شگری
پی ایچ۔ ڈی سکالر (اردو)
جامعہ کراچی

بلتستان میں اُردو کے آغاز و ارتقاء کا تحقیقی مطالعہ

Baltistan is a place situated between the Himalayas and Karakorum ranges. This area is populated of Tibetan origin people. Balti, a branch of Tibetan language, is spoken here. In ancient time, Baltistan had religious, social and trade relations with real Tibet (Lhasa) and Tibet Kalan (Ladakh). With the advent of Islam in the 14th century, these relations came to an end. Under Islamic influence, Arabic and Persian languages were introduced here and Balti language remained under the influence of Arabic and Persian languages till 1840 AD. Maharaja Gulab Singh of Jamu conquered Baltistan in 1840 AD and Dogra Dynasty continued for over a century till 1948 AD. In the era of the Dogras, Urdu was introduced for the first time and the Baltis became familiar with it. When Pakistan came in to being, Baltistan developed its relations with Pakistan in different fields of life. In this way, Urdu made itself popular among the common people as well. media, educational institutions and employees (from other cities) played a vital role in promoting Urdu. In this dissertation, I have tried to explain the beginning and historical evolution of Urdu in Baltistan in a nutshell.

بلتستان قراقرم اور ہمالیہ کے پہاڑی سلسلوں کے درمیان واقع ہے۔ "مغرب میں ضلع گلگت اور دیامر کی وادیاں ، مشرق میں بھارتی مقبوضہ اضلاع کرگل و لداخ ، شمال میں چینی صوبہ سنکیانگ اور جنوب میں بھارتی مقبوضہ کشمیر واقع ہے"۔[۱] یہ خطہ ۹۹۶۸ مربع میل پر پھیلا ہوا ہے۔[۲] جو کہ بنیادی طور پر چھ وادیوں سکردو ،خپلو ،شگر ، کھرمنگ ، روندو اور گلتری پر مشتمل ہے۔ اِس علاقے میں دُنیا کی دوسری بلند ترین چوٹی کے ٹو سمیت چالیس سے زیادہ چوٹیاں موجود ہے ، جن کی بلندی بیس ہزار رفٹ سے زیادہ ہے ۔ کے ٹو کی بلندی ۸۶۱۱ میٹر ہے ۔[۳] بلتستان کے لوگ فطرتاً سیدھے سادھے ، ذہین ، امن پسند ، خوش اخلاق اور مہمان نواز ہیں ۔قتل و غارت گری ، چوری ، ڈاکہ زنی اور غنڈہ گردی جیسے جرائم نہ ہونے کے برابر ہیں۔ یہاں کے نوے فیصد لوگ تبتی نسل کے ہیں ۔ باقی دس فیصد درد ، کشمیری ، مون اور سادات ہیں۔

بلتستان کے باشندوں کی زبان بلتی ہے، جو کہ تبتی زبان کی ایک شاخ ہے، جس کے بارے میں محمد یوسف حسین آبادی لکھتے ہیں:۔ "بلتی زبان تبتی زبان کی انتہائی مغربی شاخ ہے اس زبان کا تعلق سائنو تبتن زبان کی تبتو برمن شاخ سے ہے ۔بلتستان ، تبت ، لداخ ، بوٹان ، سکم اور شمالی نیپال میں اسی زبان کی مختلف بولیاں بولی جاتی ہیں۔ ان کے علاوہ بھارت کے بعض شہروں اور چین کے چار صوبوں چھینگائی ، یونن ، سچون ، اور گانسو میں بھی اس زبان کے بولنے والوں

کی ایک بہت بڑی تعداد موجود ہے"۔[۴]

بلتی چونکہ تبتی زبان کی ایک شاخ ہے اور چودھویں صدی عیسوی میں اسلام کی آمد سے قبل یہاں کے لوگ بدھ مت کے ماننے والے تھے، اس لئے بلتستان کے تعلقات مذہبی، ادبی، تجارتی اور روحانی سطح پر تبتِ اصلی (لہاسہ) اور تبتِ کلان (لداخ) کے ساتھ تھے۔ اور اس کا اپنا رسم الخط اگے بھی رائج تھا لیکن چودھویں صدی عیسوی میں اسلام کی آمد کے ساتھ اس علاقے کا نہ صرف مذہبی سطح پر تبت سے رشتہ ٹوٹا بلکہ دیگر تمام شعبوں میں بھی اس نے تبت سے ناطہ توڑ دیا۔ اس بارے میں محمد یوسف حسین آبادی لکھتے ہیں:۔ "چودھویں صدی عیسوی کے آخری ربع کے دوران یہاں امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ کے ہاتھوں اشاعتِ اسلام کا آغاز ہوا اور سولہویں صدی کے اوائل تک سارا علاقہ مشرف بہ اسلام ہوا۔ اس کے ساتھ ہی بلتستان کا تبت کے ساتھ مذہبی و روحانی رابطہ بھی منقطع ہوا۔ اس سے قبل یہاں سے طلبہ حصولِ علم کے لئے تبت کے مدارس تک جاتے اور گیشے کی سند لے کر وطن واپس آتے تھے۔ اس طرح تبت سے روحانی وابستگی کے انقطاع نے لسانی تعلق کو بھی متاثر کیا۔۔۔۔۔ اشاعتِ اسلام کے ساتھ بلتی میں بدھ مت کی مذہبی اصطلاحات کی جگہ عربی و فارسی کی اسلامی اصطلاحات نے لے لی"۔[۵] تبت کے ساتھ تعلقات کا متاثر ہونا تھا کہ بلتی زبان کا واسطہ عربی اور فارسی سے پڑا اور عربی اور فارسی سے اس کا تعلق پڑنا تھا کہ اس نے اپنا صدیوں پرانا رسم الخط کو بھی بھلا دیا۔ "نئے حالات میں نت نئے الفاظ اس زبان میں داخل کردیے اس تبدیلی نے بلتی میں بعض نئی آوازوں کو جنم دیا مزید یہ کہ بدھ مت اور بودھوں کی یادگار سمجھ کر مسلمان آبادی کی دلچسپی اس سے اُٹھ گئی جس کی وجہ اس وقت تک رائج اس کا اپنا رسم الخط متروک ہوگیا۔اس کا ترک ہونا تھا کہ بالکل بھلا ہی دیا گیا۔ حالانکہ رسم الخط کسی مذہب کا اثاثہ نہیں ہوتا"۔[۶]

تبدیلی مذہب کی بُنیاد پر بلتستان کے لوگوں کا تعلق عربی اور فارسی زبانوں سے پڑا اور ان دونوں زبانوں کو زبردست پذیرائی ملی جتنی دینِ اسلام کو ملی کیوں کہ عربی اسلام کی زبان اور فارسی بلتستان کے مبلغینِ اسلام کی زبان تھی ۔ یوں عربی سے زیادہ فارسی زبان سے لوگ مانوس ہوئے اور بلتستان میں فارسی زبان نے تحریری زبان کی حیثیت حاصل کرلی۔ اور یہیں سے ہمیں بلتستان میں عربی اور فارسی کے ایسے الفاظ ملتے ہیں جو بعد میں اردو میں مستعمل نظر آئے تو لوگوں نے اردو کو اجنبی نہیں سمجھا بلکہ اسے بھی ہاتھوں ہاتھ لے لیا۔ بلتستان میں فارسی رسم الخط رائج ہوا اور صدیوں اسی رسم الخط میں بلتی زبان لکھی جاتی رہی ساتھ ہی سرکاری خط و کتابت و احکامات فارسی میں ہی لکھتے رہے اس ضمن میں یوسف حسین آبادی لکھتے ہیں:۔ "اصلی رسم الخط کے متروک ہونے پر بلتی نظموں کی تدوین کے فارسی رسم الخط کو بروئے کار لایا جا تا رہا چونکہ راجاؤں کے دور میں خطوط، لین دین کی تحریریں، معاہدے، وثیقے اور دیگر دستاویزات فارسی زبان میں ہی لکھی جاتی تھیں اس لئے بلتی میں نظموں کے علاوہ اور کسی چیز کے لکھنے کی نوبت ہی نہیں آئی"۔[۷] بلتستان میں امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ سے لیکر اِدھر طوسی برادران تک مبلغین ایران سے آئے اور ان سب کی زبان فارسی تھی۔ ان مبلغین کی تصانیف کی تعداد سینکڑوں میں تھی۔ اس طرح درس و تدریس اور تبلیغ و ارشاد کے لئے جب یہ زبانیں استعمال ہوئیں تو عوام الناس نے ان کا اثر لیا اور ان زبانوں کے الفاظ بلتی میں نہ صرف مستعمل ہوئے بلکہ بلیتائے بھی گئے۔ ذیل میں چند ایک عربی اور فارسی کے الفاظ درج کرتے ہیں جو بلتیائے گئے ہیں۔

الفاظ کی اصل صورت	اصل زبان	بلتی میں مستعمل تلفظ
وقت	عربی	وخ
دُنیا	عربی	دُنیاد
مسجد	عربی	مجد
چائے	فارسی	چا
صیغہ	عربی	سرغہ
تبرک	عربی	تمرک
نعمت	عربی	نیانگمت
خانقاہ	عربی	خنکا
پیوند	فارسی	پیوان
بیاض	عربی	بیَس
تعویذ	عربی	تبس
حاشیہ	عربی	خشا
تسبیح	عربی	تسی

یوں بلتی زبان چودھویں صدی عیسوی سے لے کر اِدھر انیسویں صدی عیسوی تک عربی اور فارسی کے زیر اثر رہی ۔ اس طرح عربی اور فارسی کے الفاظ کثرت سے بلتی میں آئے۔

۱۸۴۰ء میں بلتستان پر ڈوگرہ سردار مہاراجہ گلاب سنگھ نے فوج کشی کی، نتیجتاً ۱۸۴۲ء میں بلتستان پر ڈوگروں کا تسلط پوری طرح قائم ہوا ۔ ڈوگرہ فوج اور دیگر سرکاری اہل کار بلتستان آئے ۔ ان ڈوگرہ اہل کاروں میں بھانت بھانت کی بولی بولنے والے لوگ موجود تھے تاہم ان سب کو ایک مشترکہ رابطے کی زبان کی ضرورت تھی اور وہ اُردو تھی۔ اس حوالے سے بلتستان کے نامور محقق محمد حسن حسرت لکھتے ہیں:۔"۱۸۴۰ء میں والیِ جموں مہاراجہ گلاب سنگھ کی فوج نے حملہ کر کے جب بلتستان پر اپنا تسلط جما لیا تو اُن ڈوگروں کی وساطت سے بلتستانیوں کو قدم قدم پر ہندوستانی زبانوں سے سابقہ پڑا اگر چہ ڈوگروں کی زبان بھی خالص وشُستہ اُردو نہیں تھی بلکہ ان کی زبان ڈوگری ، پہاڑی اور کشمیری زبانوں کا ملغوبہ جیسی تھی تاہم یہاں کے لوگ اسے ہندوستانی زبان کہتے تھے اور ڈوگرہ اہل کار سرکاری خطوط اسی میں لکھتے تھے چونکہ یہ زبان اس علاقے میں اُردو کی ابتدائی شکل تھی جو جموں اور کشمیر کے علاقوں میں پنپ رہی تھی اس لئے ہم اس کو بلتستان میں اُردو کا سرخیل سمجھتے ہیں"۔[۸]

ان ڈوگرہ اہلِ کاروں کے علاوہ بلتستان سے سینکڑوں لوگ ڈوگروں کے ظلم و جبر سے تنگ آ کر ترکِ وطن کر کے ہندوستان کے دیگر شہروں مین پھیل گئے ۔ ان کی وساطت سے بھی بلتستان میں اُردو کی نشو ونما ہوئی ۔ اس بارے میں محمد حسن حسرت لکھتے ہیں:۔ "اپنا جابرانہ تسلط جمانے کے بعد جب ڈوگروں نے بلتستان کے عوام پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے تو اس علاقے کے بہت سے طالع آزما اپنا وطن چھوڑ کر کشمیر اور ہندوستان کے مختلف شہروں کی طرف ہجرت کر گئے ان

میں سے اکثریت نے شملہ، منصوری، نینی تال، ڈیرہ دون، ڈلہوزی اور سرینگر وغیرہ میں اپنا ڈیرہ جمایا۔۔۔۔ ہندوستان کے ان شہروں میں بسنے والے بلتیوں کو روزگار اور دیگر شعبہ ہائے زندگی میں اُردو بولنے والوں کے ساتھ خوب واسطہ پڑا ۔۔۔۔ یہ لوگ آبائی وطن بلتستان میں اپنے رشتہ داروں کو اپنی خیریت سے آگاہ کرتے وقت اردو میں خطوط لکھا کرتے تھے جو غالباً اس علاقے کے لوگوں کے لئے لکھنے اور پڑھنے کا اولین تجربہ تھا"۔[9]

ڈوگرہ سرکار نے ۱۸۹۲ء میں سکردو میں ایک پرائمری سکول کھولا بعد ازاں اسے مڈل کا درجہ دیا گیا۔ ڈوگرہ دور کے اختتام تک " بلتستان میں ۱۰ مکتب سکول، ۳۲ پرائمری سکول، خپلو میں ایک لوئر مڈل اور سکردو میں ایک لوئر ہائی سکول، کل ۴۴ مدارس قائم تھے جن کے انتظام کے لئے ضلع لداخ میں ایک اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ انسپکٹر سکول متعین تھا۔۔۔۔ ڈوگرہ دور میں طلباء کی کل تعداد ۱۰۰۰ تھی"۔[10] اور ان سکولوں میں "تدریس کے لئے کشمیر سے پنڈت اور مسلمان اساتذہ تقرر ہو کر آتے تھے یہ اساتذہ دیگر مضامین کے علاوہ اُردو میں خصوصی مہارت رکھتے تھے اور اُنھوں نے بلتستان میں اُردو کو پراوان چڑھانے میں اہم کردار ادا کیا"۔[11]

ڈوگرہ صد سالہ دور میں بلتستان میں نہ صرف اُردو کی ابتداء ہوئی بلکہ اس نے اپنا ارتقائی سفر کا آغاز بھی کیا۔ یوں ڈوگرہ راج کے آخری سالوں میں مقامی لوگوں نے اُردو میں شاعری کرنا بھی شروع کی۔ علاقہ شگر کے راجہ مراد علی خان مراد اماچہ نے اُردو میں حضرت علیؑ کی شان میں ایک منقبت لکھ کر اپنے آپ کو بلتستان کا پہلا اُردو شاعر گردانا۔ اُن کے ابتدائی کلام کا نمونہ درج ذیل ہے۔[12]

جس شخص کو خدا نے زِ غفلت جگا دیا
اُس دل میں حبّ ِ شاہ ِ ولایت جگہ دیا
در ہر ولے کہ مہر علیؑ کا ضیاء دیا
گویا خدا برات ِ برات دیا دیا
گہوارہ میں ہی سب کو خبر سنب کو مار لیا
سیلی سے جہل دوں کا اوسی مو پھرا لیا
از امر حق زبہر نبی و وصی او
مہ پارہ گشت مہر دوبارہ مڑا دیا
جس دن یتیم و سائل و مسکیں کو نان دیا
ایزد نے اُس عطا کو اُوسے ہل اتی ' دیا
انگوٹھی در نماز بہ سائل بنامِ حق
آں بے بہا جوہرِ سنگیں چکا دیا
بت ہائے بے شمار بہ ارشاد کردگار

ان خانہ زاد کعبہ ز کعبہ سٹا دیا

شاعری کے علاوہ ڈوگرہ دور کے آخری سالوں میں بلتستان میں اُردو ڈرامہ سٹیج کرنے کی روایت بھی چل نکلی تھی ۔ اس بارے میں محمد حسن حسرت لکھتے ہیں:۔ "ڈوگرہ دور میں ان اساتذہ کی سرپرستی میں لوئر ہائی سکول سکردو میں ہر تین ماہ بعد اُردو ڈرامہ سٹیج کیا جا تا تھا"۔۱۳؎ سکردو میں ڈوگرہ دور کے سٹیج ڈراموں کے بارے میں راجہ محمد علی شاہ صبا لکھتے ہیں:۔ "سید ذوالفقار علی نسیم کی خواہش کے مطابق سکردو میں ڈرامیٹک کلب کی تشکیل ہوئی اور مختلف تہواروں پر اُردو ڈرامے سٹیج ہوا کرتے تھے ۔ سال ۱۹۴۷ء میں حکیم محمد لطیف تحصیلدار بن کر سکردو آئے انقلاب کے بعد وہی سکردو میں اسسٹنٹ پولیٹکل ایجنٹ مقرر ہوئے اُنھوں نے پوری لگن کے ساتھ سکردو میں ڈرامے کراوئے جن میں اُن کا اپنا لکھا ہوا ڈرامہ' عدلِ جہا ں گیری' بھی سٹیج ہوا جس سے خواص وعوام میں اُردو مکالمے اور اشعار کے استعمال میں اضافہ ہوا "۱۴؎ "۱۹۴۷ء میں جب سلور کنگ ڈرامہ اسٹیج کیا جا رہا تھا تو انٹرول (وقفہ) میں موسیقی کے ساتھ یہ غزل پیش کی گئی :

دُنیا میں غریبوں کو آرام نہیں ملتا

روتے ہیں تو ہنسنے کا پیغام نہیں ملتا

اس کے ساتھ ہی موسیقی سننے کا ذوق بھی عوام میں پیدا ہوا ۔ موسیقی میں گوردوارے میں ڈھولک بجانے والے سری رام ماہر سمجھے جاتے تھے ۔ ہربنس سنگھ ہارمونیم سنبھالتے جبکہ منشی افتخار علی اُن کا ساتھ دیتے ۔ ۔۔۔۔۔۔۔ الغرض بلتستان میں ڈرامیٹک کلب کے قیام نے اُردو زبان و ادب کے فروغ میں اہم کرادار ادا کیا اس لئے کہ لوگ غیر شعوری طور پر ڈراموں کے کراداروں کے مکالمات دہراتے رہتے"۔۱۵؎

ڈوگرہ دور میں اُردو بلتستان میں اتنا پختہ ہو چکی تھی کہ اس میں کتابیں بھی لکھی جانے لگیں۔ اس بارے میں ڈاکٹر عظمیٰ سلیم لکھتی ہیں: ۔"اسی سال (۱۹۲۵ء) شمالی علاقہ جات میں اُردو کی پہلی کتا ب تحفہ تبت من اہل سنت از مولوی عبدالحق تبتی ملتی ہے ۔ مولوی عبدالحق تبتی دینی تعلیم کی غرض سے بلتستان سے ہندوستان گئے جہاں اُردو زبان میں دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ نے شمالی علاقہ جات میں مذہبی عقائد سے متعلق اُردو کتابو ں کی ضرورت کو محسوس کیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ لہٰذا آپ نے اس کتاب کی اشاعت کا بیڑہ اُٹھایا ۔ اس وقت شمالی علاقہ جات میں طباعت کی سہولت میسر نہ تھی اس لئے یہ کتاب ہندوستان میں چھپی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔عوام نے اسے پسند کرنے کے بعد مزید اُردو کتابوں کی ضرورت محسوس کی لہٰذا مذہبی تصنیفات کے لئے راستہ کھل گیا اور محض چار سال بعد مولوی حمزہ علی نامی مصنف کی تین ضخیم اُردو کتابیں شائع ہوئیں"۔۱۶؎

بلتستان میں ڈوگروں کے دور کی ابتداء میں اُردو زبان متعارف ہوئی اور ان کے سو سالہ دور میں اُردو بلتستان میں رابطے کی زبان بنی ۔ سکولوں میں تدریسی زبان بنی،اس میں شاعری کی ابتداء بھی ہوئی اور مختلف پروگراموں اور اسٹیج ڈراموں کی وجہ سے عوام الناس بھی اس زبان سے مانوس ہوئے لیکن اس کی بھر پور ترقی تقسیم ہند کے بعد ہوئی ۔ تقسیم کے بعد بلتستان پاکستان کا حصہ بنا تو انتظامی اُمور کی انجام دہی کے لئے حکومتِ پاکستان نے اپنے اہلِ کاروں کو یہاں تعینات کئے ۔ یہ اہلِ کار غیر مقامی ہوتے تھے ۔ اگر چہ ان انتظامی افسران کا تعلق پنجاب ، سرحد اور سندھ وغیرہ سے

ہوتا تھا تاہم ان کی مقامی لوگوں سے میل جول کے لئے اُردو زبان ذریعہ بنی ۔ اس ضمن میں محکمہ صحت بلتستان نے نمایاں کردار ادا کیا "۲۵دسمبر ۱۹۵۰ء کو میجر حیدر بصری حسن خان سکردو میں ایجنسی سرجن تعینات ہوئے ۔ وہی ہسپتال کا انچارج آفیسر ہوتا تھا ۔ایچ بی ایچ خان ۱۹۵۹ء تک سکردو میں تعینات رہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۱۹۵۱ء کے آخر میں سکردو ہسپتال میں آٹھ کلو واٹ کا ایک ڈیزل انجن جنریٹر نصب کیا گیا ۔جنریٹر کے نصب کئے جانے کے ساتھ ہی ہسپتال کے صحن میں موجود چنار کے نیچے مریضوں اور دیگر شہریوں کے لئے فلم دکھانا بھی شروع کیا گیا بعد میں ۱۹۵۴ء میں سنیما ہال کی تعمیر ہونے پر فلم دکھانے کا کام اُدھر منتقل ہوگیا ۔۱۹۵۴ء میں ایچ بی ایچ خان کی سر پرستی میں پہلا ڈرامہ 'باوفا قاتل' اس ہال میں اسٹیج ہوا اس کے بعد ڈراموں کے دکھائے جانے کا ایک سلسلہ قائم ہوا جو تقریباً ڈیڑھ عشرے تک جاری رہا" ۔۱۷ یوں محکمہ صحت بلتستان نے پہلی بار بلتستان میں فلم متعارف کرائی اور لوگوں کے لئے نہ صرف تفریح کا سامان مہیا کیا بلکہ اس طرح سے ان کو ایک نئی زبان اور نئے کلچر سے بھی متعارف کرایا ۔فلمی ڈائیلاگ اور فلمی گانوں کے بول لوگوں کی زبانوں پر آنے لگے اور لوگ ان فلمی ڈائیلاگ اور گانوں کے اشعار کو آپس کی گفتگو میں بھی استعمال کرنے لگے ۔"فلمی گانے سننے اور سنانے کا بھی رجحان پیدا ہونے لگا جب ۱۹۵۴ء میں سکردو ہسپتال میں مریضوں کے لئے بنائے گئے Recreation Hall کو سنیما ہال میں تبدیل کر دیا گیا ۔ اس سنیما ہال میں پہلی اُردو فلم 'قسمت' دکھائی گئی جس کے گانے کے بول یوں تھے ۔

آج ہمالہ کی چوٹی سے ہم نے پھر للکارا ہے
دور ہٹو اے دُنیا والو ہندوستان ہمارا ہے

فلمی نغموں نے اس دور میں اُردو ادب کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا ان پڑھ افراد بھی غیر شعوری طور پر نغمے گنگناتے رہے اور پھر وہی الفاظ روز مرہ گفتگو میں بھی شامل ہونے لگے" ۔ ۱۸ محکمہ صحت کے اس سنیما ہال میں فلم دکھانے کے علاوہ اسٹیج ڈرامے بھی ہوتے تھے اور ان اسٹیج ڈراموں میں مقامی نوجوانوں کو فنکاری کا موقع ملتا تھا ۔ مقامی لوگوں کے لئے یہ ایک نیا تجربہ اور تفریح کا ذریعہ تھا اس وجہ سے بڑے شوق سے ان میں شرکت کرتے تھے اور مقامی نوجوان مکالموں کی شکل میں اُردو جملوں کو یاد کرتے اور بولتے اس طرح اُردو زبان عام معاشرے میں پھیل جاتی ۔ اس حوالے سے محکمہ صحت بلتستان کے ایک مقامی ملازم حاجی غلام محمد نادم اپنی خودنوشت میں لکھتے ہیں:۔

"مریضوں کی فلاح و بہبود کے لئے سنیما ہال بنایا گیا جہاں روزانہ رات کو ایک شو ہوتا تھا علاوہ ازیں سال میں دو تین ڈرامے اسٹیج ہوتے تھے جن میں ہم سب بھر پور حصہ لیتے تھے اور اسٹیج پر ایکٹینگ کر کے لوگوں سے داد حاصل کرتے تھے ۔ ڈراموں کے لئے ہسپتال کے علاوہ باہر سے بھی اچھے ایکٹرز شامل کئے جاتے تھے ۔ ہسپتال کے سٹاف میں میرے علاوہ کواردو کے منشی غلام محمد ، سرمیک کے بابو ابراہیم ، کشمراہ کے بابو غلام مہدی مرغوب اور غلام حسین ڈسپنسر ، سندوس کے محمد حسین لیب اسسٹنٹ ، کواردو کے کاچو حسن خان ، حپلو کے کھیفر و ، گنگوپی کے کاچو محمد شاہ ، سکمیدان کے جواد علی ، حسن بٹ ، علی حسن ، رسول جو ، حسین اور فرمان علی وغیرہ شامل تھے ۔ باہر سے شریک ہونے والے فنکاروں میں حاجی محمد صادق وزیر مہدی آبادی اور راجہ حامد حسین کریس مشہور کامیڈین تھے ۔ مہدی آباد کے حاجی قاسم ، سکمیدان کے غلام نبی ، غلام محمد اور سندس کے بابو رضا وغیرہ سٹیج سکریٹری جبکہ انتظامی اُمور کے لئے سکمیدان کے کاچو حیدر شاہ ، ماسٹر عزیز ملک اور دیگر

بڑے ذوق وشوق سے کام لیتے تھے"۔۱۹؎

درج بالا فنکاروں کی فہرست میں یہ بات قابل غور ہے کہ اس میں فنکاروں کا تعلق بلتستان کے مختلف گاؤں اور علاقوں سے ہے جس کی بنیاد پر ہم کہ سکتے ہیں کہ ان اُردو ڈراموں نے نہ صرف سکردو شہر میں بلکہ مضافات کے دیہی علاقوں میں بھی اُردو الفاظ اور جملے پہنچائے اور یہاں اس بات کا اعادہ کرنا ضروری ہے کہ ان ادبی سرگرمیوں کے پیچھے غیر مقامی افراد کی سرپرستی موجود تھی۔ اور

ہر سرکاری ادارے کا یہی حال تھا۔ وہاں محکمہ صحت کی طرح باضابطہ ادبی سرگرمیاں نہ سہی لیکن غیر مقامی افراد کی موجودگی کی وجہ سے کسی نہ کسی پہلو سے اور کسی نہ کسی سطح پر اُردو زبان کو فروغ مل رہا تھا۔

بلتستان میں اُردو کی ترویج میں پاک آرمی کے جوانوں کا بھی بڑا کردار رہا ہے۔ سرحدی علاقہ ہونے کی وجہ سے قیام پاکستان کے ساتھ ہی یہاں پر بڑی تعداد میں آرمی کے افسر و جوان تعینات رہے اور ان میں زیادہ تر غیر مقامی لوگ ہوتے تھے۔ اس ضمن میں محمد حسن حسرت لکھتے ہیں:۔ " بلتستان میں اُردو زبان کی ترویج میں فوجیوں کا بھی بہت کچھ حصہ ہے کیونکہ پاکستان بننے کے بعد یہاں سرحدوں کے تحفظ کے لئے پاک افواج کی تعیناتی سے اُردو بلتستان کے گوشے گوشے میں پھیل گئی گو کہ ان فوجیوں کی اُردو گفتگو بھی اتنی شُستہ نہیں تھی چنانچہ بلتستان کے نا خواندہ اور پسماندہ عوام بھی گرائمر کی پابندیوں سے قطع نظر 'جناب کدھر جائیں گا' قسم کی گلابی اُردو بولنے لگے"۔۲۰؎

اسّی کی دہائی میں جب بلتستان تک ٹرک ایبل روڈ کی تعمیر کا کام مکمل ہوا تو بلتستان میں ترقی وخوشحالی کا دور شروع ہوا۔ اس طرح ترقی خوشحالی کے ساتھ بیرونی مزدوروں کے بلتستان آنے کا سلسلہ بھی شروع ہوا جن میں تعمیراتی کام کرنے والے، مکینکل کام کرنے والے، ٹرکوں اور بسوں کے ڈرائیور و کنڈیکٹر، نائی و موچی شامل ہیں۔ ان مختلف نوعیت کے کام کرنے والے مزدوروں نے بھی عوامی سطح پر اُردو کو فروغ دینے میں بڑا کردار ادا کیا۔ اسی کے ساتھ کئی غیر سرکاری و نیم سرکاری فلاحی اداروں نے بلتستان کا رُخ کیا ان اداروں نے گاؤں گاؤں جا کر عوامی سطح پر تنظیمیں بنائیں اور ان تنظیموں میں پہلی بار خواتین کی شرکت ہوئی۔ ان اداروں نے ان تنظیموں کے ذریعے مختلف ٹریننگ، سمینار، ورکشاپ وغیرہ منعقد کئے اور سماجی سرگرمیوں میں خواتین کے کردار کو کلیدی بنا یا اور یہ ساری سرگرمیاں اُردو میں ہوتی تھیں یوں عوامی سطح پر اور خاص طور پر خواتین کو اُردو سے آشنائی کا بھر پور موقع ملا اور جب ماؤں نے اُردو سیکھی تو بچوں نے بھی اپنی مادری زبان کے ساتھ ساتھ اُردو کو سمجھنا اور بولنا شروع کیا۔ پچھلی تین دہائیوں سے پورے بلتستان میں سرکاری، نیم سرکاری و غیر سرکاری سکولوں کا جال بچھ چکا ہے گلی گلی میں گورنمنٹ سکول موجود ہے اور ان کے ساتھ ساتھ پرائیویٹ سکول بھی کھل چکے ہیں۔ اب ان سکولوں میں نصاب کا میڈیم جو بھی ہے لیکن بول چال کا میڈیم اُردو ہے۔ اساتذہ، بچے اور والدین تینوں بلتی ہونے کے باوجود ان کی باہمی بات چیت اُردو میں ہوتی ہے۔ بچوں کو سکولوں میں انگریزی سکھانے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن بچے اُردو سیکھتے ہیں۔ سکولوں کے تمام پروگرام اُردو میں ہی ہوتے ہیں۔ اسی طرح بلتستان بھر میں مذہبی محافل و مجالس اُردو میں ہوتی ہیں، جمعہ کے خطبے، محرم کے مجالس اور دیگر مجالسِ میلاد و وفات میں تقاریر، منقبت، نعت، مرثیے، نوحے تقریباً اُردو میں پڑھے جاتے ہیں۔ یہاں ایک بات قابلِ غور ہے کہ تجارتی لین دین، بیرونی ملازموں، سیاحوں اور مزدوروں وغیرہ کے ساتھ اُردو میں بات چیت کرنا دونوں فریقین کی مجبوری ہے کیونکہ

اس کے علاوہ باہمی رابطے کی کوئی دوسری صورت میسر نہیں ہوتی لیکن مذہبی مجالیس ، تقاریر ، خطبات ، سیاسی خطابات ، سکولوں ، کالجوں اور دیگر تعلیمی اداروں میں باہمی گفتگو میں اُردو کا استعمال مجبوری نہیں کیونکہ یہاں دونوں جانب بلتی بولنے والے ہیں ایسی صورت میں اُردو زبان کا استعمال یہ ظاہر کرتی ہے کہ بلتستان میں اُردو زبان پوری طرح عام ہو چکی ہے اور لوگ اپنی مادری زبان سے زیادہ اس کو اہمیت دیتے ہیں اس کی ایک وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ یہاں پر دوردراز کے دیہاتوں میں بھی بجلی کی فراوانی ہے اور بجلی کی اس فراوانی نے لوگوں کو میڈیا سے قریب کر دیا ہے ۔شہری علاقوں میں کیبل نیٹ ورک کے ذریعے دُنیا بھر کے چینلز دکھائے جاتے ہیں اور دیہی علاقوں میں ڈش انٹینا کے ذریعے لوگ مختلف چینلز کے پروگرامز دیکھتے ہیں۔ اور خواتین اور بچے زیادہ تر مختلف چینلز کے ڈرامے دیکھتے ہیں اور مرد حضرات خبریں اور مباحثے وغیرہ ، یوں ان کی وساطت سے اُردو عام ہو چکی ہے ۔کمپیوٹر ، انٹرنیٹ اور موبائل فون کے استعمال سے بھی ترویج اُردو میں مدد ملی ہے۔ اور لوگ آپس کی گفتگو اُردو میں کرتے ہیں اور اگر بلتی میں کریں تو بھی ۵۰ فیصد الفاظ اُردو کے استعمال کرتے ہیں۔ ٹیلی ویژن ، انٹرنیٹ اور موبائل فون کی سہولت سے پہلے بلتستان میں ریڈیو نے فروغ اُردو میں کردار ادا کیا کیونکہ اُس وقت دُنیا سے باخبر رہنے اور تفریح طبع دونوں کے لئے ریڈیو واحد ذریعہ تھا ۔اس لئے معاشرے کے بااثر افراد کے پاس ریڈیو سیٹ موجود ہوتا اور آس پڑوس کے لوگ اس سے مستفید ہوتے تھے۔بلتستان میں ریڈیو سننے کی اس اجتماعی روایت کے بارے میں غلام حسن حسنی اپنی خودنوشت میں لکھتے ہیں:۔ "ایک خوبرو نوجوان ہاتھ میں ایک ڈبہ نما چیز (بولتی ہوئی) غندوس ہلچنگرہ پر لے آیا ۔ یہ ریڈیو تھا جس پر ایک نغمہ آرہا تھا 'وطن ہمارا آزاد کشمیر' غالباً ریڈیو تڑاڑ کھل تھا ۔نوجوان چوپال پر بیٹھ کر زور زور سے ریڈیو بجا رہا تھا کہ مرد و خواتین گلٹے اور بیلچے کھیتوں میں چھوڑ کر چوپال پر جمع ہو گئے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ٹیپ ریکارڈر سب سے پہلے گاؤں میں محمود بھائی نے متعارف کرایا تھا ۔ وہ فوج میں ہوتے تھے چھٹی پر آئے وہی قدیم طرز کا پلے ٹیپ ریکارڈر اُٹھا لائے انڈیا کا ایک گانا اسی ٹیپ ریکارڈر پر چلایا گیا 'برسات میں تق دیبہ دینگ' بچے بچے کی زبان پر یہ گیت تھا ۔ایک اور گانا بھی لوگوں میں بے حد مقبول ہوا 'چھوڑ بابل کا گھر وہ ہے پی کے نگر آج جانا پڑا' مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ غندوس کے باذوق لوگوں نے ان دو فلمی گیتوں کی پیروڈی کی تھی"۔[۲۱] حسنی صاحب نے اپنے گاؤں کی بات کی ہے لیکن یہی صورت حال پورے بلتستان کی تھی اور ریڈیو سے اسی والہانہ وابستگی کی وجہ سے لوگ لاشعوری طور پر اُردو سے واقف ہوتے گئے اور جب ٹیلی ویژن ، ٹیلی فون اور کمپیوٹر آیا تو ریڈیو کچھ عرصہ کے لئے پس منظر میں چلا گیا لیکن جب ۱۳۔۲۰۱۲ء میں F.M ریڈیو کی سروس کا بلتستان میں آغاز ہوا تو ریڈیو ایک بار پھر بھرپور انداز میں لوگوں کی زندگی میں آیا کیونکہ ٹیلی ویژن کی نشریات دیکھنے کے لئے اہتمام کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جیسے بجلی ، خاص مقام ، خاص وقت وغیرہ لیکن اس کے برعکس F.M ریڈیو موبائل سیٹ میں ائیر فون لگا کر ہر جگہ ، ہر وقت جیسے کام کرتے ہوئے ، سفر کرتے ہوئے یا دوکان میں بیٹھے ہوئے سن سکتے ہیں یہی سبب ہے کہ دیگر تمام تر جدید سہولیات کے میسر ہونے کے باوجود بلتستان میں لوگوں کی بڑی تعداد آج بھی ریڈیو سنتے ہیں۔

بلتستان میں الیکٹرانک میڈیا سے پہلے پرنٹ میڈیا کا آغاز ہوا ۔تقسیم کے ساتھ ساتھ جب یہاں چھاپہ خانے کی سہولت میسر نہیں تھی تو یہاں کے خواندہ طبقے نے قلمی اخبار کا اجراء کر کے بلتستان میں پرنٹ میڈیا کا آغاز کیا ۔اس بارے میں بلتستان کے مشہور صحافی محمد قاسم نسیم لکھتے ہیں:۔

"انتہائی دور افتادہ اور پسماندہ ہونے اور طباعت تو کجا کہیں بھی ٹائپنگ ، فوٹو سٹیٹ یا سٹینسل مشین حتیٰ کہ کاربن پیپر تک دستیاب نہ ہونے کے باوجود اس وقت کے باہمت اور مجاہد صفت اہلِ قلم حضرات نے وسائل کی اس طرح عدم دستیابی کو اپنے عزم اور ارادے کے آگے آڑے نہیں آنے دیا اور بلتستان سے اخبارات کے اجراء کا آغاز کر دیا۔ طباعت نہیں تو نہ سہی یہاں کے صاحبِ قلم افراد نے قلمی اخبار کا اجراء شروع کر کے بلتستان میں اُردو صحافت کی داغ بیل ڈال دی"۔۲۲

پہلا قلمی اخبار ۱۹۴۹ء میں ہفت روزہ صدائے جرس 'کے نام سے جاری ہوا۔ اس کے بعد پندرہ روزہ ' جمہور ' اور اس کے بعد ہفت روزہ ' ترجمان' کے نام سے تین قلمی اخبار بلتستان سے یکے بعد دیگرے جاری ہوئے اور مختصر مدت کے بعد بند ہوئے ۔ ۱۹۵۸ء میں پہلی بار بلتستان سے ایک ہفت روزہ بادِ شمال طبع ہوکر شائع ہوا اس کے بعد بلتستان سے درجنوں کی تعداد میں اخبارات جاری ہوئے اور بند بھی ہوئے۔ حالیہ دور میں بلتستان سے روزنامہ کے ٹو، روزنامہ بادِ شمال ، روزنامہ بیدار ہفت روزہ سیاچن ہفت روزہ نقارہ کے علاوہ کئی ماہ نامے اور سالنامے بھی نکلتے ہیں ان کے علاوہ قومی سطح کے اخبارات بھی روزانہ کی بنیاد پر بلتستان بھر میں پڑھے جاتے ہیں لہٰذا بلتستان میں فروغِ اُردو میں پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا دونوں کا بڑا کردار ہے فرق اتنا ہے کہ پرنٹ میڈیا نے خواندہ طبقے میں اُردو پڑھنے کی عادت ڈالی اور الیکٹرانک میڈیا نے اُردو کو دور دراز کے دشوار گزار پہاڑی علاقوں اور نا خواندہ دیہاتوں تک پہنچانے میں کلیدی کردار ادا کیا۔

بلتستان میں قیامِ پاکستان کے ساتھ ساتھ جہاں بلتی زبان کی پرورش مختلف انداز میں ہوتی رہی وہاں کسی نہ کسی سطح پر اُردو ادب بھی فروغ پاتا رہا۔نجی صحبتوں میں ، اخبارات و رسائل کے صفحات پر ،سکولوں اور کالجوں کی سطح پر ادب پروان چڑھتا رہا ،لیکن ۱۹۸۴ء میں پہلی بار بلتستان میں ایک تنظیم حلقہ علم و ادب سکردو کے نام سے وجود میں آئی۔ اس ادبی تنظیم نے بلتستان بھر کے باذوق افراد کے لئے ایک پلیٹ فارم مہیا کیا اس طرح بلتستان بھر میں بکھرے ہوئے ادیبوں اور شاعروں کو یکجا ہونے کا موقع ملا اور حلقہ علم وادب کی وساطت سے بلتستان بھر میں ادبی سرگرمیاں تیز ہوئیں اس بارے میں بلتستان کے مشہور شاعر اور حلقہ علم و ادب کے بانی رکن غلام حسن حسنی لکھتے ہیں:۔

"میونسپل لائبریری سکردو ہماری ادبی سرگرمیوں کا مرکز تھا ہر روز سہ پہر کو میونسپل لائبریری میں ادبی بیٹھک ہوتی تھی اس وقت حلقہ کے محدود اور گنے چنے ممبران چندہ کر کے تقریبات کا انعقاد کرتے تھے۔ ڈسٹرکٹ کونسل ہال سکردو میں ہم عوامی مشاعرہ کراتے تھے اور اچھا خاصا اجتماع ہوتا تھا ۔۱۷اپریل ۱۹۸۶ء کو حلقے کا پہلا کامیاب بلتی اُردو مشاعرہ ہوا ۔ اسی سال ۱۸ جولائی کو دوسری عوامی مشاعرہ ہوا۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۹۸۷ء میں حلقہ کے زیرِ اہتمام دو مشاعرے ہوئے پہلا ۲۰ جون ۱۹۸۷ء کو جبکہ دوسرا جشنِ آزادی کے حوالے سے ۱۴ اگست کو منعقد کیا گیا ۔ ۱۹۸۸ء میں حلقہ کے زیر اہتمام دو اہم اور یادگار تقریبات ہوئیں ۔ پہلی تقریب ۲۳ مارچ اور جشنِ نوروز کے حوالے سے تھی جبکہ دوسری یادگار تقریب بزمِ محبّ تھی ، بلتستان کی ادبی تاریخ میں ہم نے پہلی بار بزمِ محبّ منایا ۔ بلتستان کے عظیم مرثیہ گو شاعر راجہ حسین علی خان محبّ کے فکر وفن اور شخصیت کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لئے ۱۸ ستمبر ۱۹۸۸ء کو یومِ محبّ منانے کا فیصلہ کیا ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۹۸۹ء کا پہلا پروگرام جشنِ نوروز اور یومِ پاکستان کا بلتی اُردو مشاعرہ تھا ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۶ مئی ۱۹۸۹ء کو ایک بلتی اُرد و

مشاعرہ ہوا جس میں انعامی مقابلے میں اول ، دوم اور سوم آنے والوں کو نقد انعامات سے نوازا"۔۲۳

درج بالا اقتباس سے یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ حلقہ علم و ادب نے بلتستان میں تقریبات کے سلسلے کو آگے بڑھایا اور ان تقریبات میں بلتی کے ساتھ ساتھ اُردو مشاعرے بھی ہوئے ان تقریبات سے بھی اُردو ادب کو عوام میں شناسائی اور پذیرائی کا موقع ملا۔

۱۹۹۳ء میں بزمِ علم وفن اور ۲۰۰۰ء مین بہارِ ادب بلتستان کے نام سے مزید ادبی تنظیمیں وجود میں آئیں اور بلتستان میں ادبی سرگرمیاں مزید تیز ہوئیں۔" گلگت بلتستان کے اہم شہر سکردو کو گذشتہ چند برسوں کے دوران پاکستان بھر میں سب سے زیادہ ادبی محافل منعقد کرنے کا اعزاز مل چکا ہے ان ادبی محافل کی اگر اوسط نکالی جائے تو نوے فیصد مشاعرے نکلیں گے "۔۲۴ بزمِ علم وفن کے روحِ رواں میر اسلم حسین سحر سکردو میں تقریبات کے حوالے سے لکھتے ہیں:۔

"سکردو میں آئے روز کوئی نہ کوئی مشاعرہ ، مذاکرہ ،سمینار ، کانفرنس ہوتی رہتی ہے۔ ۲۰۰۷ء میں ہماری تنظیم (بزمِ علم وفن) کو پوری دُنیا میں ایک سال کے دوران سب سے زیادہ ادبی تقریبات منعقد کرنے کا اعزاز بھی ملا"۔ ۲۵

دور افتادہ اور دشوار گزار ہونے کے باوجود بلتستان کی ادبی تنظیموں اور ادباء نے گلشنِ ادب کی آبیاری کے لئے بلتستان کا رابطہ ملک کے دیگر بڑے شہروں اور ادبی مراکز سے قائم رکھا اور ملک کے نامور شعراء کو وقتاً فوقتاً بلتستان بلا کر ادبی محافل کو رونق بخشا ۔ اس بارے میں میر اسلم حسین سحر کہتے ہیں:۔ " محدود وسائل کے باوجود اب تک ہم نے سکردو میں عالمی سطح کے مشاعرے کرائے جن میں احمد فراز ، افتخار عارف ،نوشی گیلانی ،کرن ارباب نقوی ، فاخرہ بتول ، وصی شاہ ،سعید دوشی ،محبوب ظفر ، عطاء اللہ عطا ، خالد اقبال یاسر ، زاہد مسعود ، شرجیل انظر ، طالب حسین طالب ، عطاء الحق قاسمی ، مولوی عبد الباقی ، میر حسن میر ، ظفر عباس ظفر ، سہیل شاہ، بشریٰ اعجاز ، کوثر ثمرین ، رخسانہ نازی ، حرا ناز ، علی اصغر عباس وغیرہ نے شرکت کی "۔ ۲۶

بلتستان میں مختلف ادبی سرگرمیاں اس قدر تیزی کے ساتھ بڑھتی گئیں کہ ادبی سرگرمیوں اور تخلیقات کو عوام تک پہنچانے کے لئے مقامی سطح پر ادبی رسائل کی ضرورت محسوس ہوئی اور ۲۰۰۲ء میں

بلتستان کا پہلا ادبی پرچہ سہ ماہی ' انتخاب' کا اجراء ہوا ۔۲۰۰۴ء میں ماہنامہ' انڈس' جاری ہوا ۔ ان دونوں ادبی رسائل کو عوامی سطح پر پذیرائی ومقبولیت ملی اور ۲۰۱۵ء کے اوائل میں ایک سہ ماہی ادبی جریدہ' موجِ ادب' کے نام سے نکلنا شروع ہوا ہے ۔ ادبی سرگرمیوں میں تیزی کے ساتھ ساتھ بلتستان میں تخلیقی تصانیف کی طباعت میں بھی تیزی آتی ہے۔ تقسیم سے لے کر ستر کی دہائی تک مذہبی موضوعات کے علاوہ ادبی موضوعات پر تصانیف نہیں ملتیں۔ ۱۹۷۶ء میں علی احمد قمر نے پہلا اُردو مجموعہ شائع کر کے ادبی تخلیقات کی اشاعت کا آغاز کر دیا ۔ اس کے بعد سے درجنوں کی تعداد میں شعری مجموعے ، سفر نامے، خاکے اور خود نوشت ، سوانح عمریاں منظرِ عام پر آگئی ہیں۔ یوں آج بلتستان کسی بھی اُردو کے مرکز سے کسی صورت پیچھے نہیں اور یہاں اُردو شناسی ، اُردو پروری اور اُردو فہمی کے ساتھ ساتھ ادب شناسی ، ادب پروری اور ادب فہمی بھی عوامی سطح پر آچکی ہے۔ آخر میں دیکھتے ہیں کہ ملکی سطح کے بڑے بڑے شاعر،ادیب اور دانش ور بلتستان کی ادبی فضا

کے بارے میں کیا کہتے ہیں:۔

"ممتاز شاعر اور اُردو کے اہلِ زباں افتخار عارف نے سکردو میں شاعروں اور ادیبوں کی گفتگو سن کر کہا تھا کہ مجھے یہاں کی گفتگو میں لکھنو کی خوشبو آتی ہے"۔ ۲۷

بی بی سی لندن کے نامور براڈ کاسٹر مصنف و ادیب رضا علی عابدی نے کہا:۔ "جب میں سکردو پہنچا تو یہ سوچ رہا تھا کہ یہاں کے لوگ میری زبان سمجھیں گے یا نہیں لیکن آج کی محفل سے مجھے تعجب ہوا کہ یہاں کے ادباء اور شعراء لکھنو والوں کی طرح اُردو بولتے ہیں"۔ ۲۸

"دُنیائے اُردو کے نامور شاعر احمد فراز جب سکردو مشاعرے میں شرکت کے لئے آئے تو یہاں کے مثالی ماحول، علم و ادب اور مشاعرے کے ساتھ والہانہ عشق کو دیکھ کر کہا تھا کہ میں دُنیا کے خوبصورت علاقوں اور خطوں میں جا چکا ہوں لیکن سکردو کی طرح حسین خطہ اور سکردو والوں کی طرح ادب نواز لوگ کہیں نہیں دیکھے"۔ ۲۹

حواشی و حوالہ جات

۱۔ حسین آبادی، محمد یوسف، تاریخِ بلتستان، بلتستان بک ڈپو نیا بازار سکردو، دوسرا ایڈیشن، فروری ۲۰۰۹ء ص ۰۴

۲۔ بلتستان کا رقبہ تقسیم کے وقت دس ہزار ایک سو اٹھارہ مربع میل (۱۰۱۱۸) تھا جس میں سے تقریباً ۱۵۰ مربع میل کا رقبہ ۱۹۷۱ء کی جنگ میں بھارت کے قبضے میں چلا گیا ہے یوں موجودہ رقبہ نو ہزار نو سو اڑسٹھ (۹۹۶۸) مربع میل ہے۔

۳۔ حسین آبادی، محمد یوسف، تاریخِ بلتستان، بلتستان بک ڈپو نیا بازار سکردو، دوسرا ایڈیشن، فروری ۲۰۰۹ء ص ۱۰

۴۔ حسین آبادی، محمد یوسف، تاریخِ بلتستان، بلتستان بک ڈپو نیا بازار سکردو، دوسرا ایڈیشن، فروری ۲۰۰۹ء ص ۳۱۹

۵۔ حسین آبادی، محمد یوسف، تاریخِ بلتستان، بلتستان بک ڈپو نیا بازار سکردو، دوسرا ایڈیشن، فروری ۲۰۰۹ء ص ۳۲۰

۶۔ حسین آبادی، محمد یوسف، تاریخِ بلتستان، بلتستان بک ڈپو نیا بازار سکردو، دوسرا ایڈیشن، فروری ۲۰۰۹ء ص ۳۲۱

۷۔ حسین آبادی، محمد یوسف، تاریخِ بلتستان، بلتستان بک ڈپو نیا بازار سکردو، دوسرا ایڈیشن، فروری ۲۰۰۹ء ص ۳۲۱

۸۔ حسرت، محمد حسن، بلتستان میں فروغ اردو کے محرکات، مشمولہ اخبار اردو، شمارہ ۷، ۸، جولائی، اگست ۲۰۰۳ء، مدیر، سید سردار احمد پیرزادہ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ص ۵۴

۹۔ حسرت، محمد حسن، بلتستان میں فروغ اردو کے محرکات، مشمولہ اخبار اردو، شمارہ ۷، ۸، جولائی، اگست ۲۰۰۳ء، مدیر، سید سردار احمد پیرزادہ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ص ۵۵

۱۰۔ حسین آبادی، محمد یوسف، تاریخِ بلتستان، بلتستان بک ڈپو نیا بازار سکردو، دوسرا ایڈیشن، فروری ۲۰۰۹ء ص ۳۶۷

۱۱۔ حسرت، محمد حسن، بلتستان میں فروغ اردو کے محرکات، مشمولہ اخبار اردو، شمارہ ۷، ۸، جولائی، اگست ۲۰۰۳ء، مدیر، سید سردار احمد پیرزادہ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ص ۵۵

۱۲۔ بلتستانی، محمد علی شاہ، بلتستان میں اردو زبان ،مشمولہ اخبار اردو، شمارہ ۷،۸، جولائی، اگست ۲۰۰۳ء مدیر، سید سردار احمد پیرزادہ ، مقتدرہ قومی زبان ،اسلام آباد،ص ۶۷

۱۳۔ حسرت، محمد حسن، بلتستان میں فروغ اردو کے محرکات، مشمولہ اخبار اردو ، شمارہ ۷،۸ ، جولائی ،اگست ۲۰۰۳ء ، مدیر، سید سردار احمد پیرزادہ، مقتدرہ قومی زبان ، اسلام آباد، ص ۵۵

۱۴۔ بلتستانی، محمد علی شاہ، بلتستان میں اردو زبان ،مشمولہ اخبار اردو ، شمارہ ۷،۸، جولائی، اگست ۲۰۰۳ء مدیر، سید سردار احمد پیرزادہ ، مقتدرہ قومی زبان ،اسلام آباد،ص ۶۸

۱۵۔ عظمیٰ سلیم ، ڈاکٹر، شمالی علاقہ جات میں اردو زبان و ادب، طبع اول، ۲۰۰۸ء، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد،ص ۱۵۰-۱۵۱

۱۶۔ عظمیٰ سلیم ، ڈاکٹر، شمالی علاقہ جات میں اردو زبان و ادب، طبع اول، ۲۰۰۸ء، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد،ص ۱۴۵

۱۷۔ حسین آبادی ،محمد یوسف،تاریخ بلتستان ، بلتستان بک ڈپو نیا بازار سکردو، دوسرا ایڈیشن ،فروری ۲۰۰۹ء ص ۳۷۲

۱۸۔ عظمیٰ سلیم ، ڈاکٹر،شمالی علاقہ جات میں اردو زبان و ادب، طبع اول، ۲۰۰۸ء، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد،ص ۱۶۱

۱۹۔ نادم، حاجی غلام محمد ، یادوں کے دریچے ،طبع اول،۲۰۰۴ء، ص ۴۸،۴۹

۲۰۔ حسرت، محمد حسن، بلتستان میں فروغ اردو کے محرکات، مشمولہ اخبار اردو ، شمارہ ۷،۸ ، جولائی ،اگست ۲۰۰۳ء ، مدیر، سید سردار احمد پیرزادہ، مقتدرہ قومی زبان ، اسلام آباد، ص ۵۵

۲۱۔ حسنی ، غلام حسن، پنجرہ اور پھول، طبع اول،۲۰۱۴ء، یونیک پبلیکیشنز ،سکردو، ص ۳۶

۲۲۔ نسیم، محمد قاسم ، بلتستان: فروغ اردو میں ذرائع ابلاغ کا کردار، مشمولہ اخبار اردو ،شمارہ ۷،۸، جولائی ، اگست ۲۰۰۳ء ، مدیر، سید سردار احمد پیرزادہ، مقتدرہ قومی زبان ، اسلام آباد، ص ۱۷۲

۲۳۔ حسنی ، غلام حسن، پنجرہ اور پھول، طبع اول،۲۰۱۴ء، یونیک پبلیکیشنز ،سکردو، ص ۳۹۵-۳۹۹

۲۴۔ ذیشان مہدی، اداریہ، مشمولہ سہ ماہی انتخاب، شمارہ ۱۳، ۲۰۰۸ء

۲۵۔ ذیشان مہدی ، گلگت بلتستان میں اردو ادب، مشمولہ سہ ماہی فکر و نظر ، جنوری تا مارچ ۲۰۱۱ء، ص ۱۵

۲۶۔ ذیشان مہدی ، گلگت بلتستان میں اردو ادب، مشمولہ سہ ماہی فکر و نظر ، جنوری تا مارچ ۲۰۱۱ء، ص ۱۵

۲۷۔ حسرت، محمد حسن، بلتستان تہذیب و ثقافت، دوسرا ایڈیشن، ۲۰۰۷ء، بلتستان بک ڈپو نیا بازار سکردو، ص ۱۴۵

۲۸۔ حسنی ، غلام حسن، پنجرہ اور پھول، طبع اول،۲۰۱۴ء، یونیک پبلیکیشنز ،سکردو، ص ۴۱۰

۲۹۔ الہامی، حشمت کمال، ’’بلتستان کے اردو اہل قلم‘‘، مشمولہ نگارشات بلتستان ، بلتستان دائرہ نگارش ،سکردو، ۲۰۰۵ء، ص ۵۶